وجودِ حجتؑ

قسط-٦ آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

قدرت کا نظام مصالح طبیعیہ کے خلاف نہیں ہوتا اُس زمانہ کے بعد جسے ظاہری اعتبار سے زمانۂ حضور امام کہا جاتا ہے مکمل غیبت ہوجانا اس نظام کے خلاف تھا۔ اس لئے شروع شروع میں غیبت صغریٰ کا دور ہوا، یعنی مخصوص وکلا قرار دیئے گئے جو درمیانی سفیر کی حیثیت رکھتے ہوئے لوگوں کے عرائض ومسائل کو امام کی خدمت میں پیش کریں اور امام سے ان کا جواب لے کر لوگوں تک پہنچائیں۔

یہ صورت عام افراد شیعہ کے طبائع پر کچھ زیادہ گراں نہیں گذری اس لئے کہ وہ ایک طویل عرصہ سے قریب قریب اس کے عادی ہوچکے تھے۔ وہ زمانہ کہ جب امام علی نقیؑ وامام حسن عسکریؑ سامرہ میں تھے اور کامل نظربندی وحراست کے اندر بسر کرتے تھے عام افراد کو اس کا موقع نہ تھا کہ وہ امام کی خدمت میں باریاب ہوکر اپنے معروضات پیش کرسکیں بلکہ اس قسم کے امور ہمیشہ وسائط کے ذریعہ انجام پاتے تھے اور اس لحاظ سے موجودہ صورتِ حال ان کی نظر میں سابق سے کچھ فرق نہ رکھتی تھی، بس اتنا فرق تھا کہ سابق میں امام کی جائے قیام متعین ہوتی تھی اور اکثر لوگوں کو معلوم، لیکن اب امام کے محل قیام کا تعیین کے طور پر علم نہ تھا اور عام لوگ اس سے ناواقف تھے لیکن اس کو ان کے مطلوبہ مقاصد میں کوئی دخل نہ معلوم ہوتا تھا۔

انّی برس کی طویل مدت اسی حال میں گذری، اس زمانہ میں مسائل دستخط ہوتے تھے عرائض کے جواب ملتے تھے۔ وجوہ وصدقات وحقوق امام کے اموال امام کی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے اور ان کی رسیدیں آتی تھیں، سفراء کی تعیین بہت منظم ومرتب اصول کے ساتھ خود امام کی جانب سے عمل میں آتی تھی۔ اور ایک سفیر اپنے بعد والے شخص کو خود نامزد کرجاتا تھا۔

عثمان بن سعید عمری کے بعد ان کے صاحبزادے ابوجعفر محمد نے قریب چالیس برس کے سفارت کے فرض کو بہت کامیابی ساتھ انجام دیا اور جب ان کے انتقال کا وقت قریب پہنچا تو انھوں نے کہا:

امرت ان اوصی الیٰ ابی القاسم الحسین بن روح۔

''مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں حسین بن روح کو اپنا وصی بناؤں۔''

حسین بن روح نے بھی اپنی مدت حیات ختم کرتے ہوئے اس ذمہ داری کو ابوالحسن علی بن محمد سمری کے سپرد کیا، مقررشدہ نظام کی بناء پر خیال تھا کہ یہ بھی اپنے بعد کے لئے

کوئی انتظام کریں گے لیکن جب ۳۲۹ھ میں ان کا انتقال ہونے لگا اور کہا گیا کہ وہ کسی کی تعیین کریں تو انھوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ ''لِلّٰہِ اَمْرٌ ھُوَ بَالِغُہٗ'' اب خدا کا ایک مقررہ مقصد ہے جس کو وہ پورا کرنے والا ہے۔''

بات ختم ہوئی اور غیبت صغریٰ کا زمانہ بھی تمام ہو گیا، یہی وہ وقت تھا کہ جب سے غیبت کبریٰ کا دور شروع ہوا۔

غیبت کے ابتدائی وانتہائی مقدمات واسباب ومدارج وقوع پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس امر میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا کہ وہ ایک مرتب نظام کے ماتحت ہوئی ہے جس میں تصنع اور بناوٹ کا لگاؤ نہیں۔

واقعہ کی واقعیت مخفی ہونے کی چیز نہیں۔ اس کی نوعیت، صورت، سابق ولاحق کے آثارواسباب ہی مختلف ہوتے ہیں اور یہی چیزیں وہ ہیں جو صحیح وغلط، واقعیت اور فریب کی تمیز کا معیار ہیں۔

ایک طرف رسالت مآبؐ سے لے کر گیارہویں امام تک معصومین علیہم السلام برابر غیبت امام کے وقوع کی خبر دیتے رہے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جلد باز لوگ دھوکا کھا کھا کر درمیان ہی سے غیبت امام کا عقیدہ اختیار کرتے رہے، کیسانیہ نے حضرت محمد بن حنفیہ کو منتظر سمجھا اور اسمٰعیلیہ نے اسمٰعیل بن امام جعفر صادقؑ کو اور بعض نے امام موسیٰ کاظمؑ کو۔

ملل ونحل کی کتابوں میں اِن فرقوں کا وجود خود اس کا ثبوت ہے کہ ایک امام غائب کے وجود کی خبر متواتر طور پر پہنچتی رہی تھی جس کی تطبیق میں ہر شخص اپنے فکر وخیال کے مطابق دھوکا کھا رہا تھا۔

بیشک متفقہ اسلامی احادیث جن میں ائمہ کی تعداد کو بارہ بتلایا گیا ہے ان تمام فرق کے خیالات کا دفعیہ کرنے کے لئے کافی ہیں لیکن جب گیارہ کی تعداد ختم ہو کر بارہویں کا درجہ آ گیا تو اب غیبت کی پیشین گوئی پورے ہونے کا وقت تھا۔

دوسو برس سے زیادہ کے منتظم اصول کے مطابق کہ ہر سابق امام اپنے بعد والے جانشین کو نامزد اور اصحاب سے اس کی شناسائی کرا دیتا تھا۔ امام حسن عسکریؑ کے لئے منظر عام میں کوئی اولاد بھی موجود نہ تھی اور نہ کوئی اور ہی شخص تھا جو اس ذمہ داری کے اٹھانے کا متحمل سمجھا جا سکتا۔

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ فرقہ شیعہ ہمیشہ سے بلند نظر اور عالی ظرف رہا ہے، اس نے کبھی ہر آندھی کے رخ پر اُڑ جانے اور ہر سیلاب کے زد میں بہہ جانے کو پسند نہیں کیا اور نہ ظاہری جاہ وحشم اور مال ودولت کے سامنے جو بیشتر افراد انسانی کے طبائع پر غالب آتا رہتا ہے اس نے کبھی سر جھکایا ہے اور اسی لئے اس کے فیصلے ہمیشہ اکثریت کی رائے کے خلاف رہے ہیں۔

امام اور رئیس روحانی کی تعیین میں اس کی نظر ہمیشہ انتقادی رہی ہے اور موشگافی اس کا شیوہ۔ اگر کوئی بھی امامت حقہ کے لائق اس وقت موجود ہوتا تو ہزار دس ہزار نہیں تو سو پچاس، دس بیس آدمی ہی اس کی امامت کے قائل ہو جاتے لیکن تاریخ اس کا پتہ دینے سے قاصر ہے، ملل ونحل

کی کتابیں بھی اس کے اثبات سے عاجز ہیں۔

افراد انسان کے افتاد طبیعت پر نظر کرو، ایک آنکھ سے غائب ہستی کے سامنے سر اعتراف خم کرنے کی گرانی کو دیکھو۔ ایک ایسے منصب کے ادعاء کے لئے جس کا کوئی مدعی ظاہر میں موجود نہ ہو مختلف اشخاص کے فطری طمع ورغبت کے جذبہ کا اندازہ کرو۔ اور پھر خلقت کے بھیڑ یا دھسان ہونے کا احساس کرو کہ کس طرح ہر آواز پر لبیک کہنے والے کچھ نہ کچھ پیدا ہو ہی جایا کرتے ہیں۔ ان تمام اسباب کا ناگزیر نتیجہ یہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد امامیہ فرقہ کے افراد میں طوائف الملوکی پیدا ہوجاتی اور تشتت وافتراق سے شیرازۂ اتفاق منتشر ہوجاتا اور بوقت واحد مختلف بارہویں امام اوران کے کچھ نہ کچھ ماننے والے پیدا ہوجاتے اور امام غائب کے وجود کا خیال اگر باقی بھی رہتا تو اس کے تسلیم کرنے والے بہت کم ہوتے۔

لیکن صورتِ حال بالکل اس کے خلاف نمودار ہوئی، یعنی امام یازدہم کے انتقال کے بعد عراق وحجاز، ایران کے دور دراز نقاط اوران کے متفرق افراد میں ایک لہر تھی جو دوڑ گئی کہ اب دورِ غیبت ہے اور کوئی امام وقت ظاہر نہیں ہے۔

آخر یہ کیا تھا؟ یہ انہی پیشین گوئیوں کا نتیجہ تھا جنھوں نے غیبت کو کوئی خلاف توقع امر باقی نہیں رکھا تھا بلکہ افکار وخیالات کو اس کی طرف متوجہ کرکے طویل عرصہ سے اس کا منتظر بنا دیا تھا اور اس لئے کامل صبر وسکون اور اطمینان کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا اور کسی قسم کا اضطراب وانتشار نمودار نہ ہونے پایا۔

پھر اس کے ساتھ سفر کا وجود اور زیادہ اطمینان کا باعث تھا اور کامل تنظیم کے ساتھ افراد شیعہ کا رابطۂ اتصال سفیر وقت کے ساتھ قائم ہوتا تھا اور وہ ان کے تمام مسائل وعرائض کے جوابات کا ذریعہ ہوا کرتا تھا،

یہ صورت حال اگر کم زمانہ تک باقی رہتی تو بھی اس میں تصنع اور بناوٹ کا شبہ ہوسکتا تھا لیکن یہ اسّی برس کے قریب تک قائم رہی جس میں پورے طور پر جانچ پرتال اور واقعہ کی تحقیق اور اصلیت کے انکشاف کا موقع تھا لیکن کامل انتظام وترتیب کے ساتھ یہ سلسلہ باقی رہا اور اس میں کسی قسم کا انتشار پیدا نہیں ہوا۔

اس عرصہ میں سفراء کی حقانیت وصداقت اُن مسائل وذرائع سے کہ جو امتحانی وآزمائشی تھے پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی اور اس لئے ان کے متعلق کسی سوءظن کی گنجائش محسوس نہ ہوتی تھی۔

بیشک سفراء کی مرکزیت بھی برسر اقتدار حکام کی نظر میں خار کی طرح کھٹکنے لگی اور اس میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جانے لگیں جس کا نتیجہ غیبت کبریٰ کی صورت میں رونما ہوا۔

یہ جمہور فرقۂ شیعہ کے سفراء پر اعتماد اور کامل وثوق واطمینان کا نتیجہ تھا کہ سفیر آخر علی بن محمد سمری کے ''لِلّٰہِ اَمْرٌ ھُوَ بَالِغَہٗ'' کی لفظوں میں غیبت کبریٰ کی اطلاع دے دینے سے غیبت کبریٰ کا وقوع اُسی طرح متفقہ طور پر مسلم ہوگیا جس

طرح اس کے قبل سفراء کی سفارت اور غیبت صغریٰ کا وقوع۔

اگر شیعی افراد بھی مثل اکثر انسانوں کے ''ہر کس بخیال خویش'' اور ''چندین شکل'' کے اصول پر عامل ہوتے تو کم سے کم یہی وہ وقت تھا کہ مختلف افراد دعوائے سفارت ونیابت کرنے والے پیدا ہوجاتے اور اس طرح ہر شخص اپنے نفوذ واقتدار کے بڑھانے کی فکر کرتا لیکن یہ بھی نہیں ہوا، وہ حقیقت کے پرستار اور حق کے جویا ہمیشہ حق کے ڈھرّے پر قائم رہے۔ انھوں نے ہر بات کو اس کے موقع پر اسی طرح تسلیم کیا جس طرح ان کو وہ صحیح معلوم ہوئی اور دلائل نے اس کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔

یہ سوال کم سے کم مجھ کو تو عجیب معلوم ہوتا ہے کہ غیبت امام کے بعد امام کے وجود کا فائدہ کیا ہے؟ اس لئے کہ میں کافی توضیح سے اس امر کو ثابت کرچکا ہوں کہ غیبت امام کا زمانہ ۳۲۹ھ (سال غیبت کبریٰ) یا ۲۶۰ھ (سال غیبت صغریٰ) میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے قبل بھی امام بحیثیت امام غائب ہی تھے اور امامت پردۂ غیبت میں مستور تھی۔

پھر جو فائدہ امام کا اس وقت تھا یعنی یہ کہ امام انہی پردوں میں رہ کر ہدایت خلق کے فریضہ کو انجام دیں وہی اب بھی باقی ہے۔

میں نے اس زمانہ کے حضور کی نوعیت اس طور پر واضح کی ہے کہ درحقیقت وہ پردے جن کے پیچھے امامت کا جلوہ مخفی رکھا جاتا تھا محسوس تھے۔ اگر غور کیا جائے تو اتنے عرصہ تک پردوں کو محسوس رکھنے کا منشاء بھی یہی تھا کہ لوگوں کو دکھا دیا جائے کہ دیکھو ہم پردوں میں رہ کر ہدایت خلق اور حفاظت شریعت سے جو ہماری امامت کا اصلی مقصد ہے غافل نہیں ہوتے اور اس کو کسی نہ کسی طرح انجام دیتے ہیں پھر اگر ہم کسی وقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل اور تمہارے ظاہری حواس سے غائب ہوجائیں تو یہ نہ سمجھ لینا کہ ہم نے اپنے مقصد کو ترک کردیا اور اپنے فریضۂ تبلیغ سے غافل ہوگئے۔ اور اسّی برس تک سفارت کے سلسلہ کا قائم رکھنا اپنے وجود کے کامل طور پر اثبات کے لئے تھا جس کے بعد شک وشبہہ کی گنجائش نہ ہو۔

یہ کہنا کہ ''موجودہ وقت میں امام کی جانب سے ہدایت کس طرح ہوتی ہے جو ہم کو معلوم نہیں'' مضحکہ خیز ہے۔

کیا زمانۂ حضور امام میں جن جن پردوں کے اندر اصلاح امت کے فرض کو انجام دیا گیا ہے ان میں فریق ثانی کو بھی اس امر کا احساس ہوتا تھا کہ ہم کو ایک امام وقت بحیثیت امام ہدایت کرکے فریضۂ تبلیغ کو ادا کررہا ہے؟

اس صورت سے تو پردہ کا مقصد فوت ہوجاتا اور سربستہ راز بے پردہ ہوکر سامنے آجاتا۔

بس اب اس سوال کا حل رہ جاتا ہے کہ آخر غیبت امام کا فلسفہ کیا ہے اور امام نے غیبت اختیار کیوں کی؟

اس کے لئے میں اپنے محترم ناظرین سے صبر وسکو کے چند لمحوں کا خواستگار ہوں۔

(جاری)